فمن ثقلت موازينه فهو فی عيشة راضية

میزان عمل

صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس

از

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مرتب:
شیخ احتشام الدین ندوی

ناشر
مکتبہ اُمامہ حسنی
جامعہ اُم المؤمنین عائشۃ للبنات الاسلامیۃ
بڑا کنواں، رائے بریلی، یوپی، انڈیا

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمدلله رب العالمین والصلوه والسلام علی رسوله الکریم وخاتم النبیین سیدنا محمد رسول الله وعلی اله وصحبه أجمعین وبعد!

ہمارے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ ہم کو جامعہ ام المؤمنین عائشہ للبنات (بڑاکنواں رائے بریلی) کے دارالاشاعت (مکتبہ امامہ حسنی) سے اشاعتی کام کا آغاز حدیث نبوی سے کرنے کی توفیق مل رہی ہے مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے جامعہ ام المؤمنین عائشہ للبنات کے درجۂ عالمیت اور فضیلت سے فارغ ہونے والی طالبات کے سامنے صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ اتوار کو دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی میں یہ بابرکت تقریب منعقد ہوئی، جس میں مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، مولانا محمد عباس ندوی ناظم تعلیمات جامعہ عائشہ اور خال مکرم مولانا سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی نائب ناظم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی اور مولانا محمد ثانی حسنی سوسائٹی (جس کے زیر انتظام یہ جامعہ کام کررہا ہے) کے صدر خال معظم ڈاکٹر سید احمد حسنی ندوی علیگ اور دوسرے علماء اور اساتذہ بھی تھے۔ درس کی اہمیت، تاثیر وافادیت کو دیکھتے ہوئے اس

بات کا داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو منظر عام پر آنا چاہئے، ہم اپنے ساتھی اور جامعہ کے استاذ حدیث شیخ احتشام الدین ندوی کے مشکور ہیں کہ انھوں نے اس کو مرتب کرنے کی ذمہ داری قبول کی، اور انہوں نے کیسٹوں کی مدد سے اس کی نقل و ترتیب کا دشوار گذار کام انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ انھوں نے حضرت مولانا مدظلہ کو مسودہ دکھایا اس پر انھوں نے نظر ثانی فرما کر کچھ اہم اضافہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کے سایۂ عاطفت کو قائم ودائم رکھے، ہمارے لئے یہ حسن اتفاق رہا کہ بخاری شریف کی آخری حدیث کے اس قیمتی درس کی اشاعت میں ہمارے حصہ میں وہ رقم بھی آئی جو صحیح بخاری شریف کا تقریبا ۳۵،۳۶ سال سے درس دینے والے استاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کی اشاعتی کاموں کے لئے دی ہوئی رکھی ہوئی تھی، اس کی شمولیت ہمارے ادارے کے لئے فال نیک سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی زید مجدہم سے مقدمہ تحریر کرنے کی درخواست کی جسے انھوں نے از راہ شفقت منظور کیا، جو اس رسالہ کی زینت ہے۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت اور کوشش کو قبول فرمائے، اور اس کے نفع کو عام کرے۔

سید محمد معاذ حسینی ندوی
ڈائرکٹر مکتبہ امامہ حسنی
جامعہ ام المؤمنین عائشہ للبنات الاسلامیہ

۱۰ر شعبان ۱۴۲۷ھ
۴ر ستمبر ۲۰۰۶ء

مقدمہ

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء)

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!

پیشِ نظر رسالہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی اس تقریر پر مشتمل ہے جو انھوں نے ۲ر شعبان ۱۴۲۷ھ کو مدرسہ ام المؤمنین عائشہ للبنات، رائے بریلی کی ان طالبات سے خطاب کرتے ہوئے کی جنہوں نے اس سال عالمیت اور فضیلت کا کورس مکمل کیا تھا، اس موقع پر ختم بخاری شریف کی تقریب دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی میں منعقد ہوئی، اور چند طالبات نے صحیح البخاری کی آخری حدیث: "کلمتان حبیبتانِ اِلی الرّحمن، خفیفتان علی اللّسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان اللّٰہ و بحمدہ، سبحان اللّٰہ العظیم، جو اس موقع پر معمول ہے پڑھی۔

مدرسہ عائشہ للبنات کی تاسیس ۱۹۸۵ء میں ہوئی، یہ مدرسہ مولانا محمد ثانی حسنی میموریل سوسائٹی کے زیر انتظام ہے۔ ۱۹۹۲ء سے ہر سال ایک جماعت عالمیت کے کورس سے فارغ ہوتی ہے، اس سال فضیلت کا اضافہ کیا گیا اور صحاح کو شامل کیا گیا، اس طرح اس سال عالمات کے ساتھ فضیلت کی سند حاصل کرنے والی طالبات کا اضافہ ہوا، عالمیت کی سند حاصل کرنے والی طالبات کی تعداد ۷۰ تھی اور فضیلت کی

طالبات کی تعداد ۲۶ تھی، جو اس مدت کی سب سے بڑی تعداد ہے۔

مولانا سید محمد رابع حسنی نے اپنی تقریر میں دینی تعلیم حاصل کرنے والی طالبات کی ذمہ داری پر روشنی ڈالی، اور صحیح البخاری کی حدیث کی کتابوں میں جو اہمیت ہے اس کو واضح کیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے انتخاب اور تدوین میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی، اس کے ساتھ ساتھ پہلی حدیث: "انما الاعمال بالنیات" سے کتاب شروع کرنے کی اہمیت اور معنویت کو واضح کیا، اور کیف کان بدء الوحی کے عنوان اور حدیث انما الاعمال بالنیات کے درمیان تعلق کو واضح کیا، اور پہلی حدیث اور آخری حدیث کے درمیان ربط اور نسبت پر بھی روشنی ڈالی۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا۔

مولانا کی تقریر کی افادیت کو دیکھتے ہوئے "مکتبہ امامہ حسنی" کے ذمہ داروں نے جس کا قیام اسی سال عمل میں آیا، مکتبہ کی طرف سے اس کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا، اس مناسبت سے مولوی معاذ حسینی ندوی نے رسالہ کی افادیت بڑھانے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔

سیدہ امامہ حسنی برادرِ گرامی مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی ہیں، اور ان کا مختصر علالت کے بعد گذشتہ شعبان میں انتقال ہوا تھا، اللہ تعالی اس رسالہ کی اشاعت کو ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنائے اور اس رسالہ کو مفیدِ عام بنائے، اور مدرسہ عائشہ اور مکتبہ امامہ حسنی کے ذمہ داروں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

محمد واضح رشید حسنی ندوی

عرضِ مرتب

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے جامعہ عائشہ للبنات الاسلامیہ (بڑا کنواں رائے بریلی) کے درجۂ عالمیت اور فضیلت سے فارغ ہونے والی طالبات کو بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھائی۔ یہ درس اپنی افادیت کے لحاظ سے بڑا غیر معمولی ہے، اور حدیث نبویؐ سے اشتغال اور دلچسپی رکھنے والوں اور رکھنے والیوں کے لئے ایک قیمتی اور زریں پیغام ہے، جس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔

اس کی افادیت کے پیش نظر راقم الحروف (جس کے ذمہ دو سال سے جامعہ عائشہ میں بخاری شریف کی تدریس سپرد ہے) نے یہ سوچا کہ اس درس کو کتابی شکل میں آنا چاہئے ابھی دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ ہمارے کرم فرما مولانا محمود حسن حسنی ندوی نے اس کام کی انجام دہی پر آمادہ کیا حتیٰ کہ میرے شوق میں اضافہ ہوگیا، اور وہ اس درس کی اہمیت اور قدر و قیمت پر گفتگو کرتے رہے جس کے نتیجہ میں راقم کا خیال عزم مصمم کی شکل میں تبدیل ہوگیا، میں اپنے لئے اس کام کو بڑی سعادت کی بات سمجھتا ہوں کہ یہ خدمت میرے حصہ میں آئی اس پر میں اللہ کا شکر ہی ادا کرسکتا ہوں۔ حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی نے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی اور اس میں کچھ اضافہ بھی کیا اور کچھ ذیلی عناوین ڈالنے کا مشورہ دیا جس کو انجام دیا گیا، اور انھوں نے اس کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ کا قیمتی مقدمہ اس رسالے کی زینت ہے، ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔ اسی طرح رسالہ کے آخر میں حدیث سے اشتغال اور دلچسپی رکھنے والوں اور والیوں کے لئے چند ہدایات ومشورے بھی دیے گئے ہیں جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی عربی کتاب سے ماخوذ ہیں جس کا ترجمہ مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی نے کیا ہے ہم ان کے بھی شکر گذار ہیں (۱)

اس سلسلہ میں ہم اپنے ساتھی مولانا معاذ حسینی ندوی اور اپنے رفیق نسیم الریاض ندوی کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس کام میں ہماری پوری مدد کی، خدا کرے کہ احادیث نبویہ کی سعادتیں اور برکتیں ہم سب کے نصیبے میں آئیں۔

شیخ احتشام الدین ندوی

استاذ جامعہ عائشہ للبنات الاسلامیہ

۱۲ر شعبان ۱۴۲۷ھ

(۱) مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

امام بخاری کے مختصر حالات زندگی

محدثین عظام کے درمیان امام بخاری کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، امام بخاری شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے شہر بخارا میں حاصل کی، اور حصول علم کے لئے مختلف ائمۂ حدیث کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اور علم حدیث کے لئے بصرہ و کوفہ، مکہ اور مدینہ، شام، عسقلان، دمشق جیسے شہروں کا سفر کیا، نو عمری ہی میں فن حدیث میں مہارت حاصل کر لی، ذہانت، علم و عمل اور تقوی و عبادت میں امتیازی شان رکھتے تھے، امام ترمذی اور دیگر ائمۂ حدیث نے امام بخاری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ ''روئے زمین پر امام بخاری سے بڑھ کر حدیث کا علم رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔''

عید الفطر کی شب کو ۲۵۶ھ میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

امام بخاری کے علمی شوق کا یہ عالم تھا کہ صرف ۱۶ سال کی عمر میں عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا تھا، امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ ''میں نے کتاب التاریخ چاندنی راتوں میں حضور اقدس ﷺ کے روضۂ مبارک کے قریب بیٹھ کر لکھی۔''

اللہ تعالی نے امام بخاری کو غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ''خراسان نے امام بخاری جیسا کوئی پیدا نہیں کیا۔'' سلیم بن مجاہد کہتے ہیں ''میری ان آنکھوں نے ساٹھ سال سے بخاری جیسا محدث و فقیہ، متقی و پرہیز گار اور عابد و زاہد

انسان کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔"

سردی ہو یا گرمی، خزاں ہو یا بہار، سفر ہو یا حضر، ہر حال میں امام بخاری تہجد کا اہتمام فرماتے محمد بن ابو حاتم وراق کہتے ہیں کہ "امام بخاری تہجد میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور میں سفر میں ان کے ساتھ ہوتا تھا اس کے باوجود وہ ہم کو نیند سے سے بیدار نہ کرتے تھے میں ۔نے ان سے عرض کیا، آپ خود کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں مجھے کیوں نہیں اٹھالیتے تو انھوں نے فرمایا تم ابھی جوان ہو میں تمہاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

کئی لاکھ حدیثوں میں امام بخاری نے صحیح کا انتخاب کیا، اہتمام کا حال یہ تھا کہ ایک ایک حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے دو رکعت نماز ادا کرتے پھر حدیث لکھتے ،اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام کتابوں میں ان کی کتاب سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور اس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا، اور اس کی جتنی شروحات لکھی گئیں اور مختلف اعتبارات سے کام کیا گیا دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ اس کی اس طرح خدمت کی گئی ہو۔

سید معاذ حسینی ندوی

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

كَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ، خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ :

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ،سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو جملے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پران کی ادائیگی نہایت آسان ہے لیکن میزان عمل میں بڑے بھاری اوروزنی ہیں، وہ یہ ہیں:

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی
"وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ"

وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَ قَوْلَهُمْ يُوْزَنُ،وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقُسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَ يُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطُ وَهُوَالْعَادِلُ وَأَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَشْكَابَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ،سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ،سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

الحمد لله رب العالمين- والصلوة و السلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين- أما بعد

حدیث نبویؐ اور نقل احادیث میں احتیاط: بخاری شریف کی جو آخری حدیث آپ نے پڑھی اس سے اس بات کا اظہار ہوا کہ آپ نے اس کتاب کو پڑھا ہوگا اور یہ بڑی برکت اور سعادت کی بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال جو بہت ہی مستند طریقے سے نقل کیے گئے ہیں، ان کو آپ نے اپنی زبان سے ادا کیا اور امید ہے کہ ان کو اپنے دلوں میں اتارا ہوگا۔

احادیث شریفہ کو صحابۂ کرام، حضور اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، بسا اوقات وہ بعینہٖ وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جو انھوں نے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اور بعض اوقات ان کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں، لیکن وہ الفاظ بالکل حضور ﷺ کے الفاظ سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ان کا حکم وہی ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا حکم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضور انور ﷺ جو فرماتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اسکی تائید اور تثبیت اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى- إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى" (۱) آپ ﷺ جو کچھ بات کرتے ہیں وہ اپنی پسند اور خواہش سے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے جو کچھ ان کو بتایا جاتا ہے اسی کے مطابق کہتے ہیں اور اللہ کی بتائی ہوئی بات اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ہر بات جو اللہ تعالی کی طرف سے بتائی ہوئی ہے تو اس کا حکم بعینہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کی بات کا حکم ہے۔

اور یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالی خود کوئی بات بندے سے کہنے نہیں آتا بلکہ اپنے فرشتے کے ذریعہ سے، پھر انبیاء کرام کے ذریعہ سے، اس بات کو انسانوں تک پہونچاتا ہے۔ اللہ تعالی کی بات جو خود اللہ نے کہی ہو وہ اگر بجنسہ اس زمین پر پہنچے تو یہ زمین اس کو برداشت ہی نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ زمین محدود طاقت کی ہے وہ اللہ تعالی کی براہ راست بات کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ زمین کو اللہ تعالی نے جتنا بنایا اور جیسا بنایا ہے وہ اسی کے مطابق برداشت کی طاقت رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ زمین، زمین ہے وہ آسمان نہیں بن سکتی اور جو آسمان کی بات ہے وہ زمین ہرگز برداشت نہیں کر سکتی، اس طرح انسان جو زمین کا باشندہ اور زمین کا پروردہ ہے اسکے کان، اس کا دل، اس آسمانی بات کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اگر براہ راست وہ بات اللہ تعالی کی طرف سے آجائے اور اسے بجنسہ بغیر واسطے کے انسان پر نازل کر دیا جائے اور انسان

(۱) سورۃ النجم: ۳،۴

اس کو سنے تو اس کے کان پھٹ جائیں، انسان بے ہوش ہو جائے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُتَصَدِّعاً مِنْ خَشْيَةِ اللّٰه" (۱) (اگر ہم یہ قرآن کریم کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اس کو اللہ کے خوف سے لرزہ براندام پاتے اور اسے ریزہ ریزہ پاتے)۔

چنانچہ انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اتنا زبردست بوجھ براہ راست برداشت کر سکے یہ ایسا ہے کہ کسی کے اوپر منوں بوجھ پڑے تو اس کا جسم اس کو برداشت نہیں کر سکتا وہ اس وزن کے نیچے کچل جائے گا اور اس کی قوت برداشت جواب دے دیگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بات اتنی عظیم ہے کہ انسان کے حواس اسکو براہ راست ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو بالواسطہ بھیجتا ہے، اس پیغام کو فرشتے لیکر آتے ہیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نوری مخلوق بنایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بات کو اٹھا سکتے ہیں اور لا بھی سکتے ہیں، پھر نبی کی صلاحیت و طاقت دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ معیار کی ہوتی ہے اور نبی کے متعلق یہ بات سمجھ لینی چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتا ہے اس کو پہلے ہی سے اعلیٰ طبیعت وصلاحیت کا بناتا ہے اور اس کی طبیعت کو ایسا بناتا ہے کہ اس کی طاقت، اس کی صلاحیت، اس کی خصوصیات انسانوں میں سب سے بہتر خصوصیات ہو سکتی ہیں، الغرض اس کی ہر چیز بڑی معیاری اور کامل ترین ہوتی ہے۔ عام انسانوں سے زیادہ جو طاقت وقوت ہو سکتی ہے وہ ایک نبی میں اللہ تعالیٰ ودیعت فرماتا ہے۔ اور نبی جو بھی ہوتا ہے وہ اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے زمانے کا سب سے کامل ترین اور مکمل قسم کا انسان ہوتا ہے۔ اس میں انسانی صلاحیتیں اور لیاقتیں بدرجہ اتم اور پورے معیار کی ہوتی ہیں، اس صورت میں، اور پھر فرشتہ یا خواب کے ذریعہ نبی پر اللہ تعالیٰ کی

(۱) سورۃ الحشر ۲۱

بات پہونچتی ہے تو نبی اس کو برداشت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول جناب محمد ﷺ کو زیادہ بلند معیار کا بنایا تھا، پھر آپ کو چالیس سال گذرنے پر نبوت عطا کی گئی، اس وقت آپ ﷺ کے قوی پوری طرح مضبوط اور معیاری ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی، یہ وحی آپ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام لیکر آئے۔ آپ ﷺ پر جب یہ وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ کا حال یہ ہوتا تھا کہ اتنا بوجھ آپ کو اپنے جسم پر محسوس ہوتا تھا کہ سواری کے اوپر بیٹھے ہوتے تھے تو سواری کی پیٹھ جھک جاتی تھی، اور اگر آپ ﷺ کا گھٹنا کسی انسان کے گھٹنے یا جسم کے کسی حصہ پر ہوتا تھا تو وہ سمجھتا تھا کہ منوں بوجھ اس کے اوپر لد گیا ہے، یہ بوجھ آپ ﷺ کو اس وقت محسوس ہوتا تھا جب آپ پر وحی بالواسطہ آتی تھی، براہ راست نہیں آتی تھی۔ (۱)

یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اسنے اپنی بات کو زمین والوں پر اتارا جب کہ زمین کی مخلوق اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم وزن رکھنے والی بات کو زمین والی انسانی مخلوق پر اتارا تا کہ انسانوں کو اس سے فائدہ پہونچے اور انسانوں کو صحیح راستہ ملے۔ اور انسان جنت میں جانے کا راستہ معلوم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور انسان کی کامیابی و سرفرازی کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بالواسطہ طریقہ سے اپنی بات انسانوں تک پہونچائی۔ ورنہ انسان براہ راست وہ بات برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

اور جو خداوندی احکام آپؐ پر اتارے جاتے تھے وہ دو طرح سے اتارے جاتے ایک وحی متلو جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں اتارے جاتے اور قرآن مجید کی آیات کی صورت میں اتارے جاتے، ان کا وزن اور اثر وہی ہوتا جس کا ذکر ہوا، دوسرے وحی غیر

---

(۱) حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان دیکھئے۔ علوم القرآن از جسٹس تقی عثمانی

متلو ہوتے وہ قرآن مجید کی آیات نہیں تھے بلکہ وہ حضور ﷺ کے الفاظ میں ظاہر کیے گئے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے۔ اس کرم سے ہم کو پورا فائدہ اٹھانا چاہئے کہ حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا وراصل اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا، ہمیں اس کی اہمیت سمجھنا چاہئے اور اس پر ویسے ہی عمل کرنا چاہئے جیسے اللہ تعالیٰ۔ جو رب العالمین، الہ واحد ہے، تمہارا رب ہے اور سب کا پروردگار ہے۔ کے حکم پر عمل کرنا چاہئے۔ ہم پر اس کی اطاعت مکمل طور پر فرض ہے اور احادیث کے پڑھنے سے ہمیں اس اطاعت کو عمل میں لانا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اتنا بڑا فضل و کرم فرمایا کہ وہ بات جو اس زمین پر نہیں آسکتی تھی اور جس کو انسانی مخلوق ہرگز برداشت نہیں کرسکتی تھی وہ انسانوں کو اس طریقہ پر عطا فرمائی جس طریقہ سے وہ اسے قبول کرسکیں اور اٹھا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے خصوصی رعایت فرمائی تاکہ وہ بات صحیح طریقہ پر تمام انسانوں تک پہونچ سکے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اتنا اہتمام فرمایا تو ہمارا فریضہ ہوتا ہے کہ اسی اہتمام اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اس کو قبول کریں اور اس پر اسی طرح عمل کریں جیسا کہ عمل کرنے کا حق ہے اور اس کو اپنے لئے رہبر جانیں، اسی کو دنیا و آخرت کی معراج تصور کریں۔ اور اس کو اپنے سینوں سے لگائیں اور اسی کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں۔

صحابۂ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جن جن باتوں کو سنا ان کو بعینہ نقل کیا اور ظاہر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا تو اس طریقہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی بات حضور ﷺ کے ذریعہ سے، پھر صحابہ کرام کے ذریعہ سے، پھر ان راویوں کے ذریعہ جو راوی گذرے ہیں جن کا تذکرہ امام بخاری

اور دوسرے محدثین نے کیا ہے، پہونچی، راویوں کے نام اس لئے، لئے کہ ہمیں یہ بات معلوم ہو کہ یہ بات ہم تک کتنے مضبوط راویوں کے ذریعہ سے پہونچی ہے۔ اس لئے کہ انسان انسان ہے کیونکہ طرح طرح کے انسان ہوتے ہیں اور ان کی باتیں جھوٹی بھی ہوسکتی ہیں اس لئے ہمارے علماء نے۔ جو شروع کے علماء تھے۔ یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ان تک آئی تو انہوں نے یہ دیکھا کہ اس کو بیان کرنے والے کون لوگ ہیں کیونکہ سب سے پہلے صحابہ نے اس حدیث کو بیان کیا، صحابی کے بعد تابعی نے اس روایت کو نقل کیا، اور تابعی کے بعد تبع تابعی نے بیان کیا، تو محدثین اور اصول حدیث کے ماہرین یہ دیکھتے ہیں کہ بیان کرنے والوں کی دین داری کتنی تھی اور ان کی احتیاط کس قدر تھی، سچ بولنے اور بات کو صحیح نقل کرنے میں وہ کتنی احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ اسی کے پیش نظر محدثین نے ان کے پورے حالات وکوائف معلوم کر کے کتابوں میں درج کردئے تاکہ جب اللہ کے رسولؐ کی بات ان تک پہونچے تو ہمیں معلوم ہوجائے کہ کتنے ثقہ اور کتنے قابل اعتماد ذریعہ سے وہ بات ہم تک پہونچی ہے جن میں ہم شبہ نہیں کرسکتے۔ اور یہ خیال نہیں کرسکتے کہ یہ بات بالکل پختہ وہی نقل کی گئی ہے یا اس میں کچھ فرق کردیا گیا ہے۔ اس پر بہت زبردست کام ہوا ہے اور ان راویوں کی زندگی کے حالات کو رتی رتی معلوم کر کے جمع کردیا گیا ہے تاکہ ان راویوں کی حیثیت معلوم ہوجائے کہ وہ کتنے سچے تھے، انہوں نے حضورؐ کی حدیث بیان کی تو کتنے سچے اور معتبر طریقے، اور کتنے قابل اعتماد ذریعہ سے بیان کی۔

کتب احادیث میں صحیح البخاری کا مقام ومرتبہ:

یوں تو حدیثیں لاکھوں کی تعداد میں بیان کی گئی ہیں لیکن محدثین نے یہ کیا کہ انہوں

نے ان حدیثوں کو چھانٹ لیا جن کے راوی بہت مضبوط اور قابل اعتماد تھے اور ان کی احادیث کو بالکل الگ کرلیا۔ اور جو ان سے کم درجہ کے راوی تھے ان کی حدیثوں کو علیحدہ کرلیا۔ اس سلسلہ میں محدثین نے مختلف کتابیں اور مجموعے تیار کیے، جن کے نام آپ نے اپنے اساتذہ سے سنے ہوں گے جب اس کا درس ہوا ہوگا، مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ ہیں، اس کے علاوہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور متعدد ایسے محدثین ہیں جنھوں نے حدیث کے مجموعے تیار کئے اور اپنے نزدیک جو مستند ترین اور معتمد ترین راوی تھے ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو ان میں جمع کیا اور اگر ان کو ذرا خیال ہوا کہ فلاں راوی ہیں ان کو بھول جانے کی بھی عادت ہے وہ نقل روایات میں کبھی کبھی بھول سکتے ہونگے اور فلاں راوی ہیں ان میں بہت زیادہ احتیاط اور تقوی کی زندگی گذارنے میں کچھ کمی ملتی ہے اور ان کے تقوی میں فرق ہے تو انہوں نے ایسوں کی روایات اور احادیث کو بالکل الگ کیا۔ اس کے علاوہ ان حدیثوں کو ترجیح دی جن کے سارے راوی بڑے معتبر ترین ہیں۔

اس سلسلہ میں محدثین کا اپنا اپنا معیار رہا ہے، بعض نے بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے اور بعض نے ذرا ان سے کم احتیاط کی ہے، تو سب سے زیادہ جن کے یہاں احتیاط پائی جاتی ہے وہ امام بخاری ہیں اسی وجہ سے کہا جاتا کہ قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح اور معتبر ترین کتاب امام بخاری کی کتاب ہے۔ "أَصَحُّ الْكِتَابِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰه الجَامِعُ الصَّحِيْحُ لِلْبُخَارِي" انہوں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو، ان کو پہنچی تھیں تقریباً صرف چار ہزار حدیثون کا انتخاب کیا جن کو انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا اس میں وہ دیگر محدثین سے احتیاط میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ اس بنیاد پر سب سے

زیادہ معیاری اور معتبر ترین حدیث کا مجموعہ امام بخاری کی کتاب کی شکل میں ہے۔

اور انہیں کے فوراً بعد بلکہ انہیں کے برابر امام مسلم ہیں، امام مسلم کے متعلق بھی تقریباً یہی بات کہی جاتی ہے کہ انتہائی احتیاط کے ساتھ انہوں نے راویوں کی حدیثوں کو لیا ہے۔ بلکہ بعض علماء تو امام مسلم کی کتاب کو امام بخاری کی کتاب پر ترجیح دیتے ہیں یہ بات انکی بعض خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے ہے، خاص طور پر مغرب و مراکش اور الجزائر وغیرہ کے بعض علماء حدیث کا رجحان امام مسلم کو ترجیح دینے کا ہے، لیکن امت کے اکثر علماء اور محدثین امام بخاری کی کتاب کو امام مسلم کی کتاب پر ترجیح دیتے ہیں، طبقۂ محدثین میں امام بخاری اور امام مسلم کو ان کے غایت درجہ احتیاط کی بنیاد پر بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور وہ اپنے کمال فن اور خدمات جلیلہ کے نتیجہ میں اسی مقام بلند کے مستحق ہیں۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

متفق علیہ کا مفہوم:

اور جس حدیث پر متفق علیہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور امام مسلم نے بھی اپنی کتاب میں اس حدیث کو جگہ دی ہے۔ یعنی دونوں امام اس حدیث پر متفق ہیں چنانچہ اسی مناسبت سے اس کو متفق علیہ کہتے ہیں، ورنہ صرف یہ کہتے ہیں رواہ البخاری یا رواہ مسلم۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ رواہ البخاری تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ امام بخاری نے حضور ﷺ سے سنا، یا ان کے پاس براہ راست نبی کریم ﷺ کی حدیث آئی۔ بلکہ بیچ میں صحابی اور تابعی و تبع تابعی وغیرہ کے کئی کئی واسطے ہوتے ہیں جنہیں خوب پرکھا جاچکا ہوتا ہے اور ان

واسطوں کو امام بخاری دیگر محدثین کے مقابلہ میں سب سے زیادہ پرکھتے ہیں۔

امام بخاری کا حافظہ تو ایسا عجیب وغریب حافظہ تھا کہ آج کل کے ٹیپ ریکارڈ کا شاید وہ حافظہ نہ ہو، ان کی قوت حافظہ بلا کی تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ان کا اس سلسلہ میں امتحان لیا گیا تو وہ اس میں بالکل صحیح ثابت ہوئے اور ان کی قوت حافظہ میں ذرا بھی فرق معلوم نہیں ہوا۔ لہذا امام بخاری کی اس فضیلت پر پوری امت اور سواد اعظم کا بالکلیہ اتفاق ہے۔ امام بخاری نے جو حدیثیں جمع کی ہیں یہ انتخاب ان احادیث سے ہے جو ان کے نزدیک معتبر سے معتبر حدیثیں تھیں لیکن یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جن حدیثوں کو امام بخاری نے نہیں لیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیثیں معتبر نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کسی کی حدیث قبول اور لینے کی جو شرطیں متعین کی ہیں وہ سخت ترین ہیں جب کوئی راوی ان شرطوں پر پورا اترتا ہے تو وہ اس کی حدیث کو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ البتہ دوسرے محدثین کے یہاں اتنی سخت شرطیں نہیں ہیں، ان کے یہاں ذرا کچھ کم سخت شرطیں ہیں۔ اور شرطیں تو سبھی کے یہاں ہیں اور سخت ہی ہیں لیکن امام بخاری کی طرح سخت نہیں ہیں۔ یہ چھ محدثین جن کا نام ہم نے ابھی آپ کے سامنے لیا، جن کی کتابوں کو ہم صحاح ستہ کہتے ہیں۔

صحاح کا مطلب یہ کہ صحاح، صحیح کی جمع ہے، اور کتاب کا نام صحیح، تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جن میں صحیح اور معتبر ترین احادیث جمع کی گئیں اور جو بہت ہی معتبر اور قوی راویوں کے ذریعہ نقل کی گئی تھیں چنانچہ یہ چھ محدثین ایسے ہیں جن کو دوسرے محدثین اور ائمہ پر ترجیح دی جاتی ہے جن کی کتابوں میں سب سے زیادہ احتیاط کی گئی۔ اور ان چھ کتابوں میں بھی محدثین نے درجہ بدرجہ ان کا مقام متعین کیا ہے امام بخاری کو سب سے اونچا مقام ومرتبہ دیا گیا۔ اصلاً امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کو صحیح کا نام دیا گیا ہے اور اس طرح

صحیح البخاری اور صحیح مسلم نام لیا جاتا ہے دوسری کتابوں کو سنن اور جامع جیسے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے لیکن توسعاً ان چھ کتابوں پر صحاح کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح کو جس حدیث سے شروع کیا ہے وہ نیت اور صحت نیت کی حدیث ہے اور جس حدیث پر اپنی کتاب کو ختم کیا ہے وہ قیامت کے روز اعمال کی جزا کی حدیث ہے یعنی ابتدا اور انتہا کے ساتھ ایک مناسبت ہے۔ ظاہر ہے جب کوئی مسلمان اچھا عمل کرے گا، اور سنت پر عمل کرنا چاہے گا اور حضور کے قول کے مطابق کرنا چاہے گا تو پہلا جو مرحلہ آتا ہے وہ نیت کا مرحلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم حقیقت ہے کہ آدمی کا عمل نیت سے شروع ہوتا ہے، اسی پر اس کے مخلص وغیر مخلص ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ اور انسان کا کوئی عمل بھی ایسا نہیں جو بغیر نیت کے ہوتا ہو اور اگر بغیر نیت کے ہوتا ہے تو وہ انسان گویا غیر اختیاری ہوتا ہے اور اس کا عمل بھی غیر اختیاری ہوتا ہے ورنہ اختیاری عمل جتنے ہیں وہ انسان نیت سے کرتا ہے اور اس کے پیش نظر کوئی نہ کوئی نیت ہوتی ہے کہ ہم فلاں کام کیوں کر رہے ہیں، کھانا کھا رہے ہیں تو آخر کیوں کھا رہے ہیں تا کہ صحت حاصل ہو اور بدن میں طاقت آئے۔ اور وہ کھانا تقویت کا ذریعہ بن سکے۔ اس کے علاوہ وہ کوئی کام کر رہا ہے تو اس کے پیش نظر کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور ضرور کوئی نیت ہوتی ہے۔ لہذا اس کے اعمال کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نیت سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لئے شریعت میں اعمال کا دار و مدار نیتوں پر رکھا گیا ہے آپ نے بخاری شریف کی ابتدا میں اس حدیث کو ضرور پڑھا ہوگا " إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَانَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْامْرَأَةٍ يَنْكِحُهَافَهِجْرَتُهُ إِلَى مَاهَاجَرَ إِلَيْهِ "(۱)

ا۔ بخاری شریف ج ۱/۱ باب بدأ الوحی۔

ترجمہ: ''اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے، انسان جو نیت کرتا ہے وہی اس کے حق میں لکھا جاتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سمجھی جاتی ہے اور جو کسی دنیاوی مقصد یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف سمجھی جاتی ہے''۔ (۱)

بہر حال آدمی کا وہی عمل لکھا جاتا ہے جیسی اس نے نیت کی ہے۔ اگر اس نے اپنی ذات اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے وہ عمل کیا ہے تو اسی کے مطابق لکھا جائے گا۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے عمل انجام دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہیں کیا اور اگر اللہ کی رضامندی ہی کے لئے عمل کیا ہے تو یہ لکھا جائے گا کہ اس نے اللہ ہی کے لئے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کی نیت کو جانتا ہے اور اس کے مخفی ارادوں اور نیتوں سے بخوبی واقف ہے۔ مزید یہ کہ فرشتے بھی اس کے کاندھوں پر بٹھا دیے ہیں، جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے وہ اس کے ایک ایک عمل کے بارے میں برابر لکھتے رہتے ہیں۔ اس کی نیت، اس کا اخلاص، اس کا جذبۂ دل، اس کی نقل و حرکت، اس

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں: اللہ جل شانہ کا پاک ارشاد ہے کہ اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو اور یہ کہ اس کے پاس قربانی کا گوشت یا اسکا خون نہیں پہنچتا، بلکہ اس کے پاس تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے اور حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو وہی ملتا ہے جسکی وہ یہ نیت کرے، جسکی ہجرت اپنی نیت کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہوگی اللہ کے نزدیک اور مآل کے اعتبار سے بھی اللہ اور اسکے رسولؐ کیلئے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہوگی اس کی ہجرت بھی اسی کی طرف ہوگی، جس کی نیت کی ہو۔ یہ حدیث پاک بڑی جامع ہے، بعض علماء نے اس حدیث کو آدھا علم کہا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو تصوف سارا کا سارا یہی ہے، حدیث پاک میں دو جملے ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے افکار ونظریات برابر نوٹ کئے جارہے ہیں، اس کی کوئی ساعت ان کے دائرہ کار سے باہر نہیں ہوسکتی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کیمرے سے تصویر لی جاتی ہے اور ٹیپ ریکارڈ سے بات کو ریکارڈ کرلیا جاتا ہے تو وہ بات بجنسہ محفوظ ہوجاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مخلوق فرشتوں کو یہ صلاحیت دی ہے کہ جو کچھ آدمی سے ہورہا ہے اور جو کچھ اس کے منھ سے نکل رہا ہے اور اس کے اعضاء جس طرح کام انجام دے رہے ہیں، ان سب کی نیت کو وہ نوٹ کرتے جاتے ہیں اور اسے اپنے رجسٹر میں محفوظ کرلیتے ہیں۔ اور انہیں اعمال کو قیامت کے روز اعمال نامہ کی صورت میں وہاں پیش کردیا جائے گا۔

نیتیں بھی تولی جائیں گی:

قیامت کے روز لوگوں کے اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے اور انہیں تولا جائیگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اعمال کو تولنے والی ترازو قائم کریگا۔ چنانچہ اس ترازو میں وہاں اعمال نامے تولے اور پرکھے جائیں گے۔ اور اعمال نامے کیا تولے جائیں گے بلکہ درحقیقت نیتیں تولی جائیں گی۔ جو نیتیں اعمال کے ساتھ کی گئی ہیں، کیونکہ اعمال تو نیتوں سے وابستہ ہیں۔ تو اس طریق سے پہلی اور آخری حدیث کے درمیان پورا جوڑ قائم ہوجاتا ہے اور غیر معمولی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نیت کی گئی ہے وہ آخرت میں تولی جائے گی۔ اس دنیا میں ہم نے جو عمل جس جذبہ، جس نیت، جس خلوص اور جس غرض سے کیا اسے کراماً کاتبین نے نوٹ کرلیا ہے۔ قیامت کے روز اس کا ریکارڈ پیش کردیا جائے گا۔ اور

جس کی نیت کرے۔ دوسرا جملہ پہلے کی تاکید بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ اکثروں نے کہا ہے، اور مستقل دوسرا مضمون بھی ہوسکتا ہے اور یہ زیادہ اچھا ہے، اور وہ یہ کہ آدمی کسی نیک کام میں جتنی نیتیں کرلے، اللہ تعالیٰ سبھی ثواب عطا فرماتے ہیں، جتنے امور کی آدمی نیت کرلے گا انکا مستقل ثواب ملے گا، مالک کے یہاں عطا میں کوئی کسر نہیں ہے۔ (از آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ ج/۱ ص/۴۴)

اللہ تعالیٰ اس ریکارڈ کو انسانوں کے سامنے لے آئے گا۔اور سب کے سامنے تول کر، کھادے گا کہ دیکھو تمہارے عمل کا وزن کیا ہے۔لہذا جو اعمال اچھے ہوں گے۔

وہ اس ترازو میں وزنی ثابت ہوں گے اور ان کا پلڑا جھک جائے گا۔اور جو اعمال خراب اور بد ہوں گے ان کا پلڑا اوپر ہو جائے گا اور اس وقت سوائے حسرت وافسوس کے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔اور وہ شخص کف افسوس ہی مل سکے گا۔اس حقیقت کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَهُوَ فِي عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدْرَاكَ مَاهِيَ نَارٌ حَامِيَةٌ۔

اور جس کے اعمال صالحہ کا پلڑا جتنا بھاری اور وزنی ہوگا اسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کا صلہ عطا فرمائے گا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جو کچھ عمل کرتا ہے اور جس نیت اور جس خلوص وللٰہیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا پورا پورا صلہ اور بدلہ آخرت میں بغیر کسی کتر بیونت کے ملے گا۔اور انکے ساتھ رتی بھر ظلم نہیں ہوگا۔اور درحقیقت عمل میں نیت وخلوص ہی دیکھا جائے گا۔(۱)

قرآن کریم میں آتا ہے "لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" (۲)(جانوروں کا گوشت و پوست اور خون اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرگز نہیں پہونچتا بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے)۔

یعنی قربانی میں جو جانور تم ذبح کرتے ہو اس میں کتنا گوشت ہوتا ہے اور کتنا خون نکلتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نہیں دیکھے گا بلکہ یہ دیکھے گا کہ تم نے کس نیت اور کس جذبہ اور خلوص سے قربانی پیش کی ہے کیونکہ بقول حفیظ میرٹھی مرحوم ؎

یہ خلوص ہی کی نعمت ہے شریعتوں کی عصمت　　　جو یہ ہو تو دین داری، یہ نہ ہو تو دین بازی

---

(۱)إن الله لاينظر إلى أجسامكم ولا إلى صوركم ولكن ينظر إلى قلوبكم و أعمالكم۔رواہ مسلم　(۲)سورة الحج:۳۷

اگر تمہارا جذبہ وزنی، اور تمہاری نیت خالص ہے تو وہ عمل اللہ کے یہاں بھی وزنی شمار ہوگا۔ چاہے جانور دبلا، پتلا اور معمولی ہو۔ اسی طرح کسی نے ایک روپیہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہے اگر اس کی نیت اور اس کا جذبہ ایسا ہے جو ہزار روپے خرچ کرنے والے سے زیادہ ہے تو ہزار روپے خرچ کرنے والا وہ ثواب نہیں پائے گا جو ثواب اور اجر ایک روپیہ خرچ کرنے والا پائے گا۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ جہنم کی آگ سے بچو چاہے کسی غریب و نادار کو کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر بچو، ظاہر ہے کہ کھجور کا ایک ٹکڑا کسی غریب و نادار کو دیا جائے گا تو اس کا کیا بھلا ہوگا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ دینے والے کی نیت پرکھ لی جائے گی کہ وہ بے چارہ کچھ زیادہ نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں صرف کھجور کا ایک ٹکڑا تھا۔ وہ خود کھا لیتا تو شاید اس کا کچھ کام چل جاتا لیکن اس نے اپنی ذات پر اپنے دوسرے بھائی کو ترجیح دی۔ خود کھانا گوارہ نہ کیا بلکہ اس کا دردمند دل اس بات کا متقاضی ہوا کہ اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ اس کے جذبۂ دل اور خلوص کے نتیجہ میں ایک کھجور کا معمولی ٹکڑا منوں کھجور پر بھاری ہو گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ امام بخاری کی نقل کردہ آخری حدیث وزن و میزان سے تعلق رکھتی ہے اور شروع کی نقل کی ہوئی روایت نیت اور صحت نیت سے متعلق ہے۔ یہ دونوں چیزیں بڑی غیر معمولی ہیں یعنی نیت اور وزن، قیامت میں وزن اور دنیا میں نیت۔ دنیا میں انسان نیت کرے گا اور آخرت میں اس کا وزن سامنے آجائے گا۔ اور وزن ہی کی مناسبت سے آخرت میں اس کو صلہ عطا کیا جائے گا۔ جیسا وزن ہوگا ویسا اس کا بدلہ ہوگا۔ اس کے اجر و ثواب میں ذرہ برابر کمی نہ جائے گی۔

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر پیش کیا ہے اور ابھی ہم نے اوپر بیان کیا اور پوری وضاحت کی کہ امام بخاری کی حدیثیں بہت ہی معتبر اور قوی ذریعہ سے ان تک

پہونچی ہیں۔ چنانچہ آخری حدیث بیان کرتے ہوئے انہوں نے آیت کریمہ کو ترجمۃ الباب بنایا ہے۔ ترجمۃ الباب امام بخاری کی کتاب کی اہم ترین خصوصیت ہے وہ حدیث کے بیان کرنے سے قبل اس کا عنوان مقرر کرتے ہیں جس حدیث شریف کا جو اصل مفہوم ان کو سمجھ میں آیا ہے اسکی طرف اشارہ کردیتے ہیں اس طرح حدیث کا وہ اہم مفہوم سمجھنے میں بڑی مدد مل جاتی ہے وہ اس حدیث سے قبل جو عنوان ظاہر کررہے ہیں وہ یہ ہے باب قول اللہ تعالیٰ "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ" (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم قیامت کے روز ایک ترازو مقرر کریں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ اس ترازو سے کام لیں گے۔ اس میزان میں بڑے اہتمام کے ساتھ عدل پروری کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے گا اور رتی بھر کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد جو قیامت تک آئیگی ان سب کے اعمال کا مکمل طور پر جائزہ لیا جائے گا۔ اور ان کو تولا جائے گا اور پھر ان کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صرف اعمال ہی نہیں تولے جائیں گے بلکہ بنی آدم کے اقوال، ان کے افکار و نظریات کو بھی تولا اور پرکھا جائے گا۔

القِسطاس، عربی زبان میں انصاف اور عدل پروری کو کہتے ہیں۔ قسطاس اور قسط دونوں کے معنی انصاف کے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ (تابعی) اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ قسطاس رومی زبان کا لفظ ہے جو عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی لفظ سے قسط بھی مشتق ہے اور اس کے معنی بھی انصاف اور برابری کے ہیں۔ اور قسط درحقیقت مُقسط کا مصدر ہے۔ الفاظ کے معنی عدل وانصاف کرنے کے ہیں۔ تو قاسط بے

---

(۱) سورۃ الأنبیاء: ۴۷۔

انصافی کرنے والا اور مقسط عدل وانصاف کرنے والا۔(۱)

اللہ کے دو محبوب و پسندیدہ کلمے: امام بخاری پوری سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَشْكَابَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عن أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔

جن صحابی کے ذریعہ یہ حدیث پہونچی ہے وہ حضرت ابوھریرہؓ ہیں یہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زبان سے سنا ہے۔آپ نے فرمایا دو جملے ایسے ہیں جو اللہ تعالی کو بے حد پسندیدہ و محبوب ہیں۔کلمۃ ایک لفظ کو بھی کہتے ہیں اور کلمہ کا اطلاق کئی لفظوں سے بنی ہوئی عبارت پر بھی ہوتا ہے۔اسی لئے کلمہ شہادت یعنی ''لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ'' کو کلمہ کہتے ہیں۔لہذا کلمہ ایک لفظ پر بھی مشتمل ہوتا ہے اور کئی جملوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ بلکہ پورے مضمون کو بھی بعض وقت کلمہ کہتے ہیں جو دسیوں الفاظ سے بنا ہوتا ہے۔

حدیث کی لغوی تشریح:

اس حدیث میں کلمتان سے دو جملے مراد ہیں یعنی دو جملے ایسے ہیں جو خدا کو بہت پسند ہیں۔حبیب، حُب سے مشتق ہے اور حُب محبت اور پسند کو کہتے ہیں۔ اُحب، یحب ،احبابا، پسند کرنا اور محبت کرنا۔حبیب فعیل کے وزن پر ہے فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے اور مفعول کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اس حدیث میں مفعول کے معنی میں

---

(۱) درس حدیث کے دوران مولانا نے حدیث کے الفاظ کی تشریح بھی کی ہے جو بڑی اہم ہے کیوں کہ مولانا کو لغوی تشریح سے خاص مناسبت ہے اور وہ اس میں اعلی ذوق رکھتے ہیں۔

ہے۔حبیبتان أي محبوبتان یعنی دوکلمہ جواللہ تعالی کو بے حد محبوب و پسند ہیں۔

اس کے علاوہ یہاں پر اللہ تعالی کے لئے صفت رحمٰن لائی گئی ہے، اللہ کا لفظ اللہ تعالی کا نام ہے، اور اللہ تعالی کے وہ نام جو صفات کے طور پر ہیں وہ اس کی ننانوے صفات ہیں، اللہ تعالی کی وہ صفات مختلف خصوصیات کے لحاظ سے ہیں، رحمٰن کی صفت رحمت اور کرم کے اظہار کے لئے ہے چنانچہ یہاں پر اللہ تعالی کا نام اس صفت کے ساتھ لیا گیا ہے جو رحمٰن ہے جو رحیم ہے اور صفت رحمت سے متصف ہے اس لئے اس مسئلہ میں جو حدیث بیان کی جارہی ہے اس میں صفت رحمت اور صفت کرم ظاہر ہورہی ہے۔ وہ انسانوں کی خطاؤں اور غلطیوں کے باوجود ان پر رحمت وکرم فرماتا ہے۔حدیث قدسی میں آتا ہے إنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی)(۱)

لہذا اس رحمٰن کو وہ دو جملے بہت پسند ہیں اور وہ دو جملے بولنے اور زبان سے ادا کرنے میں نہایت ہلکے پھلکے ہیں اور بآسانی چند سیکنڈ میں زبان سے ادا ہوجاتے ہیں۔یعنی زبان سے ادا کرتے وقت کسی طرح کا ثقل اور وزن محسوس نہیں ہوتا۔لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی دونوں جملے "ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ" جب قیامت کے روز رکھے جائیں گے تو ترازو میں بہت وزنی ثابت ہوں گے اور پلڑے کو جھکادیں گے۔وہ عظیم الشان کلمے یہ ہیں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ"۔

سبحان کے معنی تسبیح کے ہیں اور تسبیح کے معنی پاکی بیان کرنا اور اللہ تعالی کی بزرگی وخوبی بیان کرنا۔ اسی کو تسبیح کہتے ہیں۔ سبحان، مصدر ہے۔ سبح یسبح تسبیحا وسبحانا۔تقدیر عبارت یہ ہوگی۔أي نُسَبِّحُ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔یعنی ہم تسبیح بیان کرتے ہیں اللہ تعالی کی، ہم اللہ تعالی کی پاکی، بزرگی اور اس کی عظمت بیان کرتے ہیں۔

(۱) مشکوۃ المصابیح ج ۱/ کتاب الدعوات ص ۲۰۷/ متفق علیہ

’’وبحمدہ‘‘ تسبیح کے ساتھ ساتھ اس کی حمد بھی بیان کرتے ہیں۔ اور حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور حمد کے معنی تعریف اور شکریہ کے ہیں، تعریف اور شکریہ جب دونوں مل جاتے ہیں تو وہ حمد کہلاتی ہے۔ حمد تعریف اور شکریہ دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حمد کا لفظ عام طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ حمد میں جو تعریف ہے وہ دل سے ہوتی ہے اور اندرون دل سے ہوتی ہے اور جو عام تعریف ہوتی ہے اس کو عربی میں مدح کہتے ہیں۔ یہاں پر حمد کا جو لفظ لایا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف جو بھی کرے گا دل سے کرے گا۔ اور بہت اچھی نیت سے کرے گا کیونکہ درحقیقت وہی تمام تعریفات وکمالات کا مستحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تعریف شکریہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بے شمار انعامات اور فضل وکرم سے نوازا ہے، اس بنیاد پر ہم اس کا شکر ادا کر رہے ہیں اور پورے اخلاص وللّٰہیت اور پورے ولولے اور جذبے کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ اس کے احکام، اسکی تعلیمات، اس کی ہر ہر بات کے سامنے اپنی حقیر وذلیل پیشانی جھکاتے ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ لہذا ہم اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، اس کے ممنون ہیں نیز اس کے احسان کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سارے معانی اس جملے میں پنہاں ہیں۔ چنانچہ حمد کا لفظ غیر معمولی لفظ ہے اس میں یہ سارے معانی آگئے۔ اس کی بلندی، اس کی عظمت، اس کی بزرگی، اور اس کی خوبیوں کا ہم صدق دل سے اعتراف کرتے ہیں۔

دوسرا جملہ ’’سبحان اللہ العظیم‘‘ ہے۔ مذکورہ دونوں لفظ اپنا ایک وزن رکھتے ہیں۔ یہ جملے اگر صحیح طور پر اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ ادا کئے جائیں گے تو زمین، آسمان کا فرق ہو جائے گا۔ ترازو کا پلڑا ایک دم سے جھک جائے گا۔ اور یہ جملے دوسرے بہت سے اعمال کے مقابلہ میں زیادہ بھاری اور مفید ثابت ہوں گے۔ یہ دونوں جملے ادائیگی میں بہت

آسان ہیں جب چاہے بغیر کسی مشقت کے ادا کر لیجئے۔ مگر صحیح جذبہ کے ساتھ اور خالص نیتوں کے ساتھ ادا ہوئے تو اس کی قدر میں اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اعمال نیتوں سے دیکھے جائیں گے۔ یعنی اعمال کی خود کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ ان اعمال کی قدر و اہمیت، وزن اور انکی مقبولیت انکی نیت سے وابستہ ہے۔ کیونکہ یہی اصل کسوٹی اور اصل میزان ہے۔

احادیث پر عمل کامیابی کی شاہ کلید:

''سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم'' (ہم اللہ تعالی کی حمد و ثنا اور تسبیح بیان کرتے ہیں جو نہایت عظیم الشان ہے) ان دونوں حدیثوں "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ" اور "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" کو خوب سمجھ کر ہم سب کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ انہیں کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنی زندگی مرتب کرنی چاہئے۔ اور اسی سانچہ میں اپنی زندگی کو ڈھالنا چاہئے اور اس کے تابع بنانا چاہئے تو انشاء اللہ دنیاوی و اخروی کامیابی ہمارا مقدر بن جائے گی۔ اور اگر ان کی طرف سے ادنیٰ بھی غفلت ہوئی اور ہم نے ذرا سی بے رغبتی اور بے توجہی سے کام لیا تو اس غفلت کے نتیجہ میں ہمارا بڑا بھاری نقصان بھی ہو سکتا ہے اور اس نقصان کو ہم اس دنیا میں محسوس بھی نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو صحیح راستہ پر چلائے۔ اور جو حدیث شریف ہم سنتے اور پڑھتے ہیں اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حدیث نبویؐ کی تمام تر برکتیں ہمارے نصیبے میں آئیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه أنیب

حدیث شریف سے اشتغال رکھنے والے اور رکھنے والیوں کے لئے چند ہدایات و مشورے

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ پہلی چیز جس کا اہتمام بہت ضروری اور اہم ہے وہ کتب حدیث کے درس و تدریس اور بحث و تحقیق میں اخلاص و احتساب اور تصحیح نیت ہے، اجر و ثواب کی نیت کا استحضار ہو، اور انفرادی و اجتماعی فوائد ملحوظ ہوں اور اس کی تبلیغ و دعوت ہو، اس کی روشنی میں معاشرے کا جائزہ لیا جائے۔

☆ علم حدیث کے طلباء اور اس کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں کی تصحیح کریں، اپنے اندر اخلاص و احتساب پیدا کریں، تقرب الی اللہ کا جذبہ پیدا کریں، اس کے ثواب اور توفیق کی امید رکھیں اور طلب دنیا اور مادی اغراض و مقاصد کو دل سے نکال دیں، شہرت و ناموری اور حصول دنیا کا جذبہ ان کے اندر نہ ہو، اگر بغیر قصد و ارادہ کے بھی یہ بات دل میں پیدا ہو تو اس کو کھرچ کر پھینک دیں۔

☆ ایمان و احتساب اور حدیث نبوی ﷺ کی قدر و منزلت کی معرفت کے ساتھ اس کا وہ ادب و احترام جو اس کے شایان شان ہے ملحوظ رکھیں، تواضع و فروتنی کا اظہار، اور پھر اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی توفیق و سعادت پر اس کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں حدیث کے مدرسین و معلمین اور طلبۂ حدیث کے محیر العقول واقعات تاریخ کی زینت ہیں کہ وہ کس طرح اس کے درس و مطالعہ کے وقت باوضو رہتے اور آداب

ملحوظ رکھتے تھے۔

☆ حدیث کا ہر طالب علم چہ جائیکہ معلم و محقق ہو اس کو لوگوں کے لئے اخلاق و معاملات میں طور و طریق میں اسوہ و نمونہ ہونا چاہیے، علم حدیث اور سیرت و سنت سے اشتغال کی تاثیر اس کی زندگی سے نمایاں ہونی چاہئے۔

☆ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ مذاہب فقہیہ جن پر زمانہ قدیم سے عمل چلا آرہا ہے، جن میں احکام کے استنباط و استخراج کی بنیاد کتاب و سنت ہے، ان کو ہدف ملامت نہ بنایا جائے اس لئے کہ یہ بے موقع صلاحیتوں کا ضائع کرنا ہے اور وقت کا ضیاع بھی۔(۱)

(۱) ماخوذ از، مطالعۂ حدیث کے اصول و مبادی، از مولانا ابوالحسن علی ندوی، ترجمہ از بلال عبدالحی حسنی ندوی۔ تلخیص و انتخاب (مرتب)